

ماڈرن انارکلی: شفیع مشہدی

(الف) ڈراما نگار کا تعارف:

سید شفیع الزماں ولد سید امیر الدین ۱۹۳۹ء کو گیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و ہیں حاصل کرنے کے بعد، ہلی کالج (موجودہ ذا کر حسین کالج) ہلی سے ۱۹۵۸ء میں علم نفیات سے ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۶۱ء میں بہار ایڈمیٹر یو سروس کا امتحان پاس کرنے کے بعد سرکاری ملازمت میں آگئے۔ اس دوران ۱۹۵۶ء میں شفیع مشہدی کے قلمی نام سے افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔ بعد کے دنوں میں بہار پبلک سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ بہار دوا کادمی کے نائب صدر اور اردو مشاورتی کمیٹی بہار کے چیرین رہے۔ فی الحال ریٹائر ہو چکے ہیں مگر شاعری، افسانہ نگاری اور ڈرامہ نگاری تینوں سے وابستہ ہیں۔ ان کے ڈراموں کا پہلا مجموعہ ”دوپھر کے بعد“ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا تھا جس میں کل چھ ڈرامے تھے۔ تازہ ترین مجموعے میں زیادہ تر ڈرامے ایسے ہیں جو اسٹچ کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔ گرچہ یہ ریڈیائی ڈرامے ہیں اور نشر شدہ بھی ہیں۔ ان کی ڈرامہ نگاری کا امتیاز وہ ثابت فکر اور شلگفتہ اسلوب ہے جو کم و بیش ہر جگہ موجود ہے۔ عہد حاضر کی سچائیوں کو وہ اپنے افسانوں کی طرح ڈراموں میں بھی جگہ دیتے رہے ہیں۔ ”ماڈرن انارکلی“ بھی ان کے تازہ ترین مجموعے میں شامل اشاعت ہے۔

(ب) اردو میں ڈرامہ نگاری کا مختصر ترین جائزہ

اردو میں ڈرامہ نگاری کی تاریخ امانت لکھنؤی (۱۸۵۸ء تا ۱۸۸۱ء) سے شروع ہوتی ہے۔ ”اندر سجھا“، ان کا شاہ کار ہے جوان کی شہرت عام کا سبب بنا۔ گرچہ انہوں نے اور بھی ڈرامے لکھے اور شاعری بھی کرتے رہے۔ اس ڈرامے کا سبب بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ادبی حسن بھی اور عوامی مقبولیت کے سامان بھی۔ اس کے بعد کئی اور ڈرامے ان کی تقلید میں لکھے گئے جو اسٹچ بھی ہوئے۔ مسعود حسن ادیب نے اپنی کتاب ”لکھنؤ کا عوامی اسٹچ“ میں ایسے کئی ڈرامہ نگاروں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک مراری لال بھی ہیں جنہوں نے امانت کے جواب میں ”اندر سجھا“، لکھی تھی۔ امانت کے بعد پارسی تھیٹر یکل کمپنیوں کا زمانہ آیا جس میں زیادہ تر ڈرامے اسٹچ کے تقاضوں کے تحت لکھے گئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ڈرامہ نگاری کی حیثیت سے جو شہرت آغا حشر کا شیری کو ملی وہ کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ انہوں نے اردو اور ہندی میں تقریباً دو درجن ڈرامے لکھے جن میں رستم و سہرا ب (۱۹۲۹ء) سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ ان کے بعد اردو ڈراموں کا کا بنگالی زبان میں بھی ترجمہ ہوا اور بعض پرلم بھی بنائی گئی۔ آغا حشر، گرچہ شاعر بھی تھے مگر ان کی شاعری کا زیادہ تر ترجمہ ضائع ہو گیا۔ ۱۹۳۵ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بعض ڈرامے بھی لاپتہ ہو گئے۔ آغا حشر کے بعد جن

لوگوں نے اردو ڈرامہ نگاری کو فروغ دیا وہ بیسویں صدی میں پروان چڑھے۔ ڈاکٹر عبدالحسین نے کئی ڈرامے لکھے جن میں ”پردہ غفلت“ سب سے مشہور ہوا۔ یہ ڈرامہ بنیادی طور پر ایک اصلاحی نقطہ نظر کے تحت لکھا گیا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں لکھے گئے اس ڈرامے کا ترقی پسند نقطہ نظر خاص طور پر مسلم معاشرے کے لئے ایک چینچ کے طور پر سامنے آیا۔ اس میں آزادی نسوان کی جو صور پیش ہوئی وہ آج بھی قابل غور ہے۔ ان کے بعد امتیاز علی تاج کا نام آتا ہے جنہوں نے ایک درجن ڈرامے لکھے یا ترجمہ کیا مگر زیادہ شہرت ”انارکلی“ کے سبب پائی۔ سعادت حسن منٹو، محمد نجیب، ابراہیم یوسف اور اخلاق آثر نے بیسویں صدی میں اہم ڈرامے لکھے۔ ان سب کا احساس دلاتا ہے کہ اردو میں مختلف نوعیت کے ڈرامے لکھے گئے ہیں۔ حال کے دنوں میں جاوید داش، زاہد زیدی، ظہیر انور، شفع مشہدی اور قاسم خورشید نے اسٹچ ڈراموں کی طرف توجہ دی ہے۔

ڈرامہ ”ماڈرن انارکلی“ کا تجزیاتی مطالعہ

شفع مشہدی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ اس لیے کہانی تلاش کرنے اور بننے کا ہر انہیں معلوم ہے۔ اس طرح ڈرامہ لکھتے وقت ایک باضابطہ قصہ تو ان کے پاس بہر حال رہتا ہے۔ اب دوسرے مرحلے کی طرف دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے زیادہ تر ریڈ یوایٹلی ویژن کے لیے ڈرامے لکھے ہیں۔ گویا سٹچ کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بھی زیاد ہے دشواری نہیں پیش آتی۔ تیسرا چیز قصادم یا ٹکراؤ ہے جس کی ڈرامے میں اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے جائزہ لجھنے تو ان کے ڈراموں میں قصادم کی صورت عصر حاضر کے اعتبار سے ابھاری گئی ہے۔ ان کے پیش نظر ڈرامے ”ماڈرن انارکلی“ کو ہی دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جو قصادم اور بچنی ڈرامے میں امتیاز علی تاج نے پیش کیا تھا اس کی شکل کچھ نہ کچھ بدلتی ہے اور ایسا ہونا فطری تھا۔ غور کیجئے تو تاج کا ڈرامہ بھی پوری طرح تاریخی واقعات پر مشتمل تھا مگر وہاں تصادم بہر حال غرضی اور محبت یا اقتدار اور محبت کے درمیان تھا۔ مگر یہاں صورت بدلتی ہے کیونکہ اب نہ بادشاہ اس طرح کے ہیں اور نہ شاہزادے اور بادشاہست ہی نہ رہی تو اس کے لوازمات کہاں سے آئیں گے؟ بہر حال اب بھی ڈرامہ نگار نے بیشتر کردار وہی رکھے ہیں مثلاً اکبر، بیر بل، انارکلی اور درباری وغیرہ تاکہ پرانے ڈرامے سے ایک مناسبت قائم رہے۔ مگر صورت حال بدلتی ہوئی ہے اور ڈرامے کا قصہ اسی کے اعتبار سے آگے بڑھتا ہے۔

قصہ شروع ہوات ہے تو بادشاہ اکبر کے دربار میں داخل ہوتے ہیں اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تک یو انداز روایتی ہے مگر اس کے بعد بادشاہ اور دربار یوں کے بیچ جو گفتگو ہوتی ہے وہ بدلتے ہوئے زمانے کو ظاہر کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اکبر دریافت کرتے ہیں کہ بیر بل کیوں نہیں آئے۔ جواب ملتا ہے کہ وہ آگرہ سے بذریعہ ٹرین دہلی آرہے تھے مگر ٹرین لیٹ ہوئی ہے۔ اسی طرح جب ٹرین لیٹ ہونے کا سبب دریافت کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ٹرین روانہ ت وقت پر ہی تھی مگر جن مسافروں کو راستے میں اترنا تھا وہ زنجیر کھینچ کر اتر گئے، دوسرے یہ کہ ٹرین کے ڈرائیور کو چائے پینے کی خواہش ہوئی اور وہ کہیں چلا گیا۔ اب ایک دوسراءیان بھی دیکھئے۔ انارکلی کے تاخیر سے آنے کا سبب یہ ہے کہ اسے شوٹنگ میں دیر ہوئی اور شوٹنگ تاخیر

سے کیوں شروع ہوئی وہ ایک الگ معاملہ ہے۔

اب ان دوں نمونوں کی روشنی میں دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کردار ضرور روایتی ہیں مگر کہانی عصر حاضر کی ہے اور بادشاہ سلامت کا لکر اور بظاہر جن حالات سے ہے ان کے پس پرده وہ سسٹم اور ناقص انتظامیہ کا فرمایہ ہے جو آج کے عہد کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ گویا تصادم اب اقتدار اور بدانظامی کے درمیان ہے۔ بہرحال، اس سلسلے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ تصادم میں ہمیشہ نیکی اور بدی یا حق اور باطل کے درمیان لکڑاؤ میں حق اور نیکی کی فتح ہوتی رہی ہے مگر الیہ یہ ہے کہ آج ثابت قوتیں بے بس اور شکست خورده ہیں۔ کم از کم شہنشاہ ہند کی بے بسی تو یہی ظاہر کرتی ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ محبت کار و باری ہو کر زیادہ طاقت ور ہو گئی ہے اور اب محبت ہی نہیں رہی تو فرض یا حکومت کے ساتھ اس کا تصادم کیسا؟

مجموعی طور اس ڈرامے کا نہ صرف عنوان چونکا دینے والا ہے بلکہ انجام بھی۔ اسلوب بہت شلگفتہ اور روایا ہے۔ اس کے لیے لفظی تحریف کے ساتھ ساتھ مبالغہ یا متضاد صورتوں (Paradagogical situations) کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک آدھ جگہ شلگفتگی اور ظرافت پیدا کرنے کی دھن میں ڈرامہ نگار نے حقیقت سے انحراف بھی کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اکبر بادشاہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں توڑینیں کوئے سے چلتی تھیں، اب تا خیر سے چلنے لگی ہیں؟ یہ لفظی تحریف سے مزا ج پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس میں Factual غلطی یہ ہو گئی ہے کہ اکثر کے زمانے میں ٹرین کہاں تھی؟

مجموعی طور عصری گمراہیوں کی پیش کش اور اسلوب کی شلگفتگی کے سبب یہ ڈرامہ قبل تعریف ہے اور احساس دلاتا ہے کہ ڈرامے کے فنی حصاء سے باہر نکل کر بھی اردو میں اچھے ڈرامے لکھے جا رہے ہیں جن میں احتجاج کا پہلو نہ مایا ہے۔

(ایک بات پرانے اور نئے ڈرامے میں مشترک ہے کہ بیان انارکلی نہیں بلکہ اس سے ویلے سے معاشرتی ناہمواریوں کا ہے۔)

—ڈاکٹر زرنگار یاسمین

